جو بھٹو گورنمنٹ کے ستم رسیدہ تھے اور جنھیں سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ صدر ضیاء الحق کو پسند کرتے ہیں اور ان کے ثنا خواں ہیں، ہم سے بعض میرے دوستوں نے جو اعلیٰ درجہ کے گورنمنٹ آفیسر ہیں صاف لفظوں میں کہا ہے کہ بھٹو گورنمنٹ کے سرکاری دفتروں میں لوگ اسلام اور اردو زبان کا نام لیتے ہوئے کمتری اور پسماندگی کا احساس کرتے اور ان کے ساتھی ان کو دقیانوسیت کا طعنہ دیتے تھے، لیکن الحمدللہ آج صورت حال یہ ہے کہ اسلام کا نام لیتے ہیں، اردو بولتے اور لکھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں، البتہ مذہبی طبقہ میں ایک قسم ان لوگوں کی بھی ہے جو سیاست سے دلچسپی رکھتے ہیں اور وہ جمہوریت زدہ ہیں۔ یہ لوگ صدر ضیاء الحق کے اگرچہ دشمن تو نہیں ہیں مگر ایسے حامی بھی نہیں ہیں، جمہوریت میں تحریر و تقریر کی مکمل آزادی ہوتی ہے اس لیے دل کی بھڑاس نکلتی رہتی ہے اور آدمی کبھی گھٹن محسوس نہیں کرتا، اس کے برخلاف ڈکٹیٹر شپ میں لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ کسی جبر کے ماتحت زندگی گزار رہے ہیں، اس سے ان کے احساس خودی و آزادی کو ٹھیس لگتی ہے اور اس کا مظاہرہ جلسے، جلوسوں اور احتجاجی سرگرمیوں کی شکل میں ہوتا رہتا ہے۔

اس موقع پر اتنا لکھنا ہی کافی ہے، آئندہ جب ہم پاکستان پر ایک عمومی تبصرہ کریں گے، وہاں نظریۂ پاکستان، اسلامی نظام کیا ہے؟ وہ کیسے قائم کیا جاسکتا ہے؟ اسلام میں جمہوریت کا تصور، اسلامی طرز حکومت، پاکستان میں سیاسی پارٹیاں، پاکستان میں علماء اور جماعت اسلامی کا رول، موجودہ گورنمنٹ کا تنقیدی جائزہ، ان سب مباحث پر کلام کریں گے۔

(باقی آئندہ)

قتل نہ کیا جائے۔ قتل حکم کا التوا سلطان نے اس لیے کیا تھا کہ دختر وزیر کا وہ وعدہ ملاحظہ کرنا چاہتا تھا جو ”جوان اور وزیر زادی کے مابین بوقتِ قتل آخری دیدار کی تمنا کا اظہار ہوا تھا“

بعد سے شہر میں قتلِ جوان (سوداگر بچہ) کی تشہیر ہو چکی تھی جسے دیکھنے کے لیے ہر خاص و عام کا ایک اژدحام اکٹھا ہو گیا۔ شدہ شدہ یہ خبر وزیر کی لڑکی تک بھی پہنچ گئی۔ فوراً ہی اس نے اپنی مخصوص ملازمہ کو سیاہ لباس، سیاہ گھوڑا اور تیر و کمان حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ سارے ساز و سامان حاضر کیے گئے تب وہ ان سے مزین ہو کر دربار سلطانی میں جوان کے روبرو آموجود ہوئی۔ بادشاہ یہ مشاہدہ کر کے ششدر ہو گیا کہ واقعتاً اس لڑکی نے اپنے وعدہ کا ایفا کر دکھایا۔ اس کے بعد سلطان نے وزیر (پدرِ دختر) سے کہا کہ اس سیاہ پوش سوار کو پہچانتے ہو؟ وزیر نے عرض کیا، نہیں۔ بادشاہ نے دوبارہ کہا کہ ذرا قریب ہو کر شناخت کرنے کی کوشش کرو! وزیر نے نزدیک جا کر معلوم کر لیا کہ یہ تو میری ہی لڑکی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ یہ سوداگر بچہ اور تمھاری دختر دونوں ہی صالح اور پاک دامن ہیں جن کی پوری کیفیت کی بذاتِ خود میں تحقیق کر چکا ہوں اس لیے مناسب یہ ہے کہ اپنی لڑکی کا عقد اس جوان کے ساتھ کر دو۔ چنانچہ وزیر سلطانی حکم کے بموجب اپنی دختر اس جوان کے سپرد کر دیتا ہے“۔

۴۔ **منافع القلوب**: صفحات ۴۵۔ مصنف، کاتب اور سالِ کتابت مرقوم نہیں، کتابت خطِ شکستہ۔

یہ نسخہ احکامِ فقہ پر مشتمل ہے۔ دیباچہ کے بعد ۷۶ احکام کی مع عنوانات ایک فہرست ہے لیکن پیشِ نظر نسخہ میں صرف چھیالیس[۴۶] احکام ہیں اور بقیہ ناقص۔ دیباچہ میں مصنف نے ظاہر کیا ہے کہ یہ ”فقہی کتاب“ ”کنز الدقائق، حاشیۂ ضریری و کافی، نصائح الملوک، اقوالِ حکماء از دار البجور اور کتب حکمت“ کی بنیاد پر مرتب کی گئی ہے۔ تقریباً نصف حصہ مسائلِ اعتقاد اور نصف احکامِ شریعت پر مبنی ہے۔

صاحب منافع القلوب نے ابتدا از حمد و درود کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رح

وشوا بھارتی یونیورسٹی کے فارسی، عربی اور اردو مخطوطات

عبدالوہاب صاحب بدر بستوی، سنٹرل لائبریری، وشوا بھارتی یونیورسٹی شانتی نکیتن
(مغربی بنگال)

(۴)

کمیاب فارسی مخطوطات

اِدھر دوسری صبح کو سلطان نے جب اپنا دربار عام منعقد کیا تو نوجوان کا واقعہ یاد آیا اور معًا کوتوال کو حکم دیا کہ جس چور کو میں نے رات میں گرفتار کیا تھا وہ فلاں مقام پر اپنے ایک دوست کے گھر موجود ہے، جاکر فوراً گرفتار کرکے اسے حاضر کرد۔ حکم سلطانی پاتے ہی کوتوال مع پانچسو سواروں کے جاکر اس کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ جب جوان کے دوست کو معلوم ہوا تو اس نے سوچا کہ پھر حق دوستی ادا کرنے کا موقع ملنے والا ہے، چنانچہ گھر سے برآمد ہوکر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کردیا کہ میں ہی چور ہوں۔ کوتوال اسے گرفتار کرکے حضورِ سلطانی کی جانب روانہ ہوگیا۔ اب اِس اچانک واقعے سے گھر والے بلند آوازوں سے آہ وزاری کرنے لگے، اِدھر نوجوان بستر خواب پر نیند کے خرّاٹے لے رہا تھا، یک بیک رونے چلانے کی آواز جب سنی تو بیدار ہوگیا اور گریہ کا سبب معلوم کیا، گھر والوں نے کہا کہ تمہارے عوض میرے آدمی کو سرکاری ملازمین پکڑ لے گئے۔ یہ سُن کر جوان فی الفور بے تحاشا دربارِ سلطانی کی جانب دوڑا۔ کچھ دور کے بعد راستے ہی میں کوتوال کے سامنے حاضر ہوکر عرض گذار ہوا کہ یہ میرا دوست معصوم ہے، اسے رہائی بخشیے، درحقیقت چور میں ہوں۔ بالآخر جوان کو شاہی دربار میں پیش کیا گیا۔ سلطان نے فرمان صادر کیا کہ ابھی اسے

قتل نہ کیا جائے۔ قتلِ حکم کا التوا سلطان نے اس لیے کیا تھا کہ دخترِ وزیر کا وہ وعدہ ملاحظہ کرنا چاہتا تھا جو "جوان اور وزیر زادی کے مابین بوقتِ قتل آخری دیدار کی تمنا کا اظہار ہوا تھا"۔

بعد ازاں شہر میں قتلِ جوان (سوداگر بچہ) کی تشہیر ہو چکی تھی جسے دیکھنے کے لیے ہر خاص و عام کا ایک اژدحام اکٹھا ہو گیا۔ شدہ شدہ یہ خونریز کی لڑکی تک بھی پہنچ گئی۔ فوراً ہی اس نے اپنی مخصوص ملازمہ کو سیاہ لباس، سیاہ گھوڑا اور تیر و کمان حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ سارے ساز و سامان حاضر کیے گئے تب وہ ان سے مزین ہو کر دربارِ سلطانی میں جوان کے روبرو آ موجود ہوئی۔ بادشاہ یہ مشاہدہ کر کے ششدر ہو گیا کہ واقعتاً اس لڑکی نے اپنے وعدہ کا ایفا کر دکھایا۔ اس کے بعد سلطان نے وزیر (پدرِ دختر) سے کہا کہ اس سیاہ پوش سوار کو پہچانتے ہو؟ وزیر نے عرض کیا، نہیں۔ بادشاہ نے دوبارہ کہا کہ ذرا قریب ہو کر شناخت کرنے کی کوشش کرو! وزیر نے نزدیک جا کر معلوم کر لیا کہ یہ تو میری ہی لڑکی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ یہ سوداگر بچہ اور تمھاری دختر دونوں ہی صالح اور پاک دامن ہیں جن کی پوری کیفیت کی بذاتِ خود میں تحقیق کر چکا ہوں اس لیے مناسب یہ ہے کہ اپنی لڑکی کا عقد اس جوان کے ساتھ کر دو۔ چنانچہ وزیر سلطانی حکم کے بموجب اپنی دختر اس جوان کے سپرد کر دیتا ہے"۔

۴۔ **منافع القلوب:** صفحات ۴ ۵۔ مصنف، کاتب اور سالِ کتابت مرقوم نہیں، کتابت خطِ شکستہ۔

یہ نسخہ احکامِ فقہ پر مشتمل ہے۔ دیباچہ کے بعد ۷ ۶ احکام کی مع عنوانات ایک فہرست ہے لیکن پیشِ نظر نسخہ میں صرف چھیالیس (۴۶) احکام ہیں اور بقیہ ناقص۔ دیباچہ میں مصنف نے ظاہر کیا ہے کہ یہ "فقہی کتاب" "کنز الدقائق، حاشیۂ ضریری و کافی، نصائح الملوک، اقوالِ حکمار از دار الجود اور کتبِ حکمت" کی بنیاد پر مرتب کی گئی ہے۔ تقریباً نصف حصہ مسائلِ اعتقاد اور نصف احکامِ شریعت پر مبنی ہے۔

صاحب منافع القلوب نے ابتدائً حمد و درود کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی ر

(متوفی ۷۵۷ھ) سے متعلق کچھ توصیفی اور دعائیہ الفاظ اس طرح لکھے ہیں:

"ثنائے بے پایاں و دعائے فراواں بر روانِ مظہر ختم المشائخ قطب العالم تاج المحققین سراج العارفین نصیر الحق والدین شیخ محمود قدس اللہ سرہ العزیز الخ"

یہ نسخہ یہاں کے علاوہ صرف نیشنل لائبریری کلکتہ کے مجموعۂ بوہار میں پایا جاتا ہے جس کے تعارفی سلسلے میں مصنف کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ مصنف موصوف "شیخ محمود نصیر الدین چراغ دہلوی کے شاگرد تھے" اس کے علاوہ مزید کوئی تحریر مذکورہ لائبریری کی کیٹلاگ میں مذکور نہیں ہے۔ بسیار تلاش کے باوجود مصنفِ نسخہ کے بارے میں کوئی دوسرا ذریعۂ معلومات فراہم نہیں ہو سکا۔

۵۔ دیوان موحّد: شاعر سراج الحق موحّد، صفحات ۲۱۹، کاتب اور سالِ کتابت مذکور نہیں، کتابت خوشخط، کاغذ عمدہ اور کیڑوں کے حرصِ دندان سے محفوظ ہے۔

پورا دیوان حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہے جس میں ہر قسم کے مضامین پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ جگہ جگہ عربی اشعار اور کہیں کہیں ایک مصرع عربی اور دوسرا فارسی کا مخلوط بند ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر موحّد کا عربی زبان پر بھی اچھا خاصا عبور تھا۔ نمونتہً خالص عربی اور مخلوط عربی و فارسی اشعار ذیل میں دیے جاتے ہیں:

(عربی) "یا اول الاوایل یا مبداء البدایہ		یا آخر الاواخر یا منتہی النھایہ

ما فی الوجود غیرک یا موجد الحقائق		من لطفک الروایۃ من فضلک الدرایہ"

(فارسی و عربی) "بر انتہائے موحّد چوں ابتداش بخشائے		یا مبداء البدایۃ یا منتہی النھایہ"

دیوان مذکور کا دوسرا نسخہ صرف خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے جس کی کیٹلاگ جلد سوم، صفحہ ۲۶۰ پر موحّد صاحب کے بارے میں کتاب "نشترِ عشق"[1] کے حوالے سے صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے

[1] مصنف حسن قلی خاں عظیم آبادی بن آقا علی خاں شاہجہاں آبادی۔

"موجد کی پیدائش بمقام موہان (یوپی) میں ہوئی۔ بعد میں یہ مرشد آباد (مغربی بنگال) آگئے۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد نواب خانخاناں مظفر جنگ کے ہمراہ کلکتہ چلے گئے جہاں شاعر موصوف کی علمی صلاحیتوں کی بنا پر اہلِ علم اور یورپی آفیسروں نے کافی قدر و منزلت کی۔"

افسوس ہے کہ کتاب "نشترِ عشق" یہاں دفتر بھارتی لائبریری میں موجود نہیں ہے کہ جس کے مطالعے سے مزید حیاتِ موجد سے متعلق ممکن ہے کہ دیگر اطلاعات سے استفادہ کیا جا سکتا۔

۶۔ **شاہ و درویش** (مثنوی) : مصنف بدرالدین ہلالی استرابادی، صفحات ۹۰، سالِ کتابت اور اسمِ کاتب مذکور نہیں۔ البتہ مثنوی کے آخر میں ایک ورق ہے جس کا کاغذ اوراقِ مثنوی سے بالکل مختلف ہے۔ اسی ورقِ آخر پر ذیل کی دو مختلف النوع تحریریں ہیں :

(۱) "ایں کتاب ...لہ... از ملا عبداللہ ...لہ... ہر کس کہ دعویٰ کند دعوی باطل گردد۔
شہر شعبان سنہ یکہزار و دوصد و نود و کرایں ...لہ... نوشتہ شد"

(۲) یوم سشنبہ سہ شہر محرم الحرام ۱۲۹۶ھ "

مذکورہ بالا دونوں تحریریں متن کی کتابت سے کوئی مماثلت نہیں رکھتیں۔ اور وہ دونوں مذکورہ سال مالکِ نسخہ کے ملکیتی سال معلوم ہوتے ہیں۔ کتابتِ نسخہ خوشخط اور ہر صفحہ سنہری لائنوں سے گھرا ہوا ہے۔ جس زمانے میں کتابت ہوئی تھی اُس وقت یہ نسخہ یقیناً قابلِ دید اور جاذبِ نظر رہا ہوگا۔ لیکن اب تو جراثیم کے پے در پے حملے کے باعث ہر صفحہ سے واحسرتا کی دردناک صدا نکلتی ہے۔ درمیانِ نسخہ جگہ جگہ اوراق بیاض ہیں۔ معلوم نہیں کاتب کی اس میں کیا مصلحت تھی۔؟

صفحۂ اول پر کسی نے "شیریں خسرو ہلالی" لکھا ہے جو بالکل غلط ہے۔ اسی طرح عام طور پر محققین اس کا نام "شاہ و گدا"[ک] بھی بتاتے ہیں۔ حالانکہ ہلالی نے خود اس کا نام "شاہ و درویش" لکھا ہے۔

لہ، لہ، لہ ان مقامات کے الفاظ صاف نہیں ہیں مزید اس پر کیڑوں کی بیرحمی کے نشانات ہیں۔ کہ حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۸ء) کشف الظنون جلد دوم: ص ۱۰۴۱ پر اس کا نام "گوی و چوگان" بھی لکھا ہے۔

لو اپنی اس مثنوی میں ہلالی نے "شاہ و گدا" بھی استعمال کیا ہے لیکن بطور موضوع لکھا ہے. جیسا کہ نسخۂ مذکور کے ابتدائی اشعار ذیل سے واضح ہوتا ہے:

"بارِ دیگر چنیں رسید ندا | کہ بگو داستانِ شاہ و گدا
قصۂ شاہ را بیان کردن | حالِ درویش را عیان کردن
روی در اہتمامِ آن کردم | "شاہ و درویش" نامِ آن کردم"

ہلالی کا کہنا ہے کہ جب ایک مثنوی مرتب کرنے کا خیال دل میں پیدا ہوا تو یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کس داستان کو بہ زیورِ مثنوی آراستہ کروں؟ کبھی تو مجنون و لیلیٰ کی داستان دل میں گدگدی پیدا کرتی، کبھی شیریں خسرو اور فرہاد کا قصہ دماغ میں ہلچل پیدا کرتا، پھر اچانک واقعاتِ عذرا و وامق بھی زیبِ داستان بننے کے لیے مجبور کرتے:

"بازوی فکر را قوی کردم | روی در فکرِ مثنوی کردم
گفتم از ہر چہ بر زبان آید | سخنِ عشق در میان آید
عشق از ہر نو و کہن بہتر | سخنِ او ز ہر سخن بہتر
گاہ می کرد خاطرم میلی | سوی مجنون و جانبِ لیلیٰ
گاہ از شوق می زدم فریاد | بہر شیرین و خسرو و فرہاد
گاہ می دید طبعِ من لائق | حالِ عذرا و حالتِ وامق"

مثنوی مذکور کے ترتیب اشعار میں پہلے: حمد، نعت، مناقبِ علیؓ، وجوہات و اسبابِ مثنوی پھر اصل داستان کا بیان ہے۔ یہ مثنوی اصل میں ہلالی کو موزوں کرنے کی ضرورت اس لیے پیدا ہوئی جب ایک ہمعصر شاعر نے شاعرانہ تعصب کی بنا پر اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ہمعصر شاعر ملا عبداللہ ہاتفی (متوفی ۹۲۷ھ/۱۵۲۱ء) ہیں جو جامی (متوفی ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) کے بھانجے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہلالی کی غزل تو گوارا ہے لیکن میدانِ مثنوی میں بالکل نہتے ہیں۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء) لکھتے ہیں:

"باوجود جدا گانہ طبیعت شاعرانہ بود - درحقِ او گفتہ، ہلالی غزل را بد نمی گوید اما در مثنوی پیادہ است - ہلالی ایں حرف شنیدہ مرثیہ "شاہ و درویش" آغاز کرد و در آنجا بطریق کنایہ گوید:

مقبلی چوں مذاق شعر نداشت　　　مثنوی را بہ از غزل پنداشت
آں کہ نظمِ غزل تواند گفت　　　مثنوی را چو دُر تواند سفت[1]"

ہلالی ایران کے شہر استرآباد میں پیدا ہوا۔ اُس زمانے میں یہ شہر صوبہ گرگان کا مرکزی شہر تھا۔ سلسلۂ خاندان چغتائی ترک تھا۔ عنفوانِ شباب میں اپنا پیدائشی مقام چھوڑ کر خراسان کے شہر ہرات میں آگیا۔ یہاں اُن دنوں سلطان حسین مرزا بایقرا گورگانی کی جانب سے امیر علی شیر نوائی[2] (متوفی ۹۰۶ھ/۱۵۰۰ء) ہرات کے حاکم تھے۔ ہلالی اپنی شاعرانہ بلند پردازی کے ذریعے بہت جلد حاکمِ ہرات کا منظورِ نظر ہو گیا اور پھر باقاعدہ امیر موصوف کی سرپرستی میں اپنی مزید علمی استعداد میں اضافہ کرنے کی سعادت پائی۔ یہ فطرتاً اعلیٰ ذہن کا مالک اور ذوقِ طبع شاعرانہ تھا، انہی دونوں قدرتی خصوصیات نے اس عہد کے دیگر شعراء میں ایک امتیازی حیثیت پیدا کر دی تھی لیکن ایک وقت آتا ہے کہ ہلالی کی

---

[1] خزانۂ عامرہ: ص ۴۵۶۔ [2] موصوف چغتائی بن چنگیز خاندان سے تھے (۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء) میں پیدا ہوئے۔ تبحرِ علمی، سخاوت، سرپرستیِ علماء و شعراء اور دانشمندی و نیک صفتی میں یکتائے روزگار تھے اور اپنے دور کے عظیم شاعر بھی۔ ترکی، فارسی زبانوں میں بصورت نثر و نظم آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بچپن میں سلطان حسین مرزا کے ہمدرس تھے۔ اسی زمانے میں دونوں نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم میں سے اگر کسی کو سلطانی میسر آجائے تو اپنے ساتھی کو فراموش نہ کرے گا۔ چنانچہ تعلیمی دور کے بعد جب دونوں میں جدائی ہوئی اور سلطان مذکور کو ہرات پر اقتدار حاصل ہوا تو امیر موصوف کو سمرقند سے بلوا کر ہرات کا حاکم بنا دیا۔ پھر بعد میں پورے ملک کے منصبِ صدارت سے عزت افزائی کی۔ (بحوالہ لغت نامہ دہخدا: [illegible] تا ۴۰۹ جلد دیہ)۔

مقبولیتِ عام و خاص اور امتیازی شانِ شاعری اس کے لیے مہلکِ جان بن گئی۔

چنانچہ جب خراسان پر عبیداللہ خان اوزبک شیبانی فاتح حکمراں کی حیثیت سے قابض ہوتا ہے تو یہاں بھی ہلالی اپنی فطری صلاحیتوں کے توسط سے عبیداللہ خاں کا تقرب حاصل کرلیتا ہے۔ دربارِ اوزبک میں پہلے ہی سے دو عالم مولانا بقائی اور مولانا شمس الدین قہستانی یا کوہستانی اثر و رسوخ پائے ہوئے تھے، جب اپنے سے بڑھ کر خان مذکور کی نظرِ عنایت ہلالی کی جانب دیکھی تو دلوں میں آتشِ حسد تیز ہونے لگی۔ دونوں نے منصوبہ بنایا کہ کسی طرح اس خار کو راہ سے ہٹا دیا جائے۔ غرضیکہ دونوں عالموں نے عبیداللہ خاں سے یہ شکایت کی کہ وہ شیعہ ہے اور حضورِ عالی کے خلاف ہجویہ اشعار کہا کرتا ہے۔ خان مذکور شکایت سے متاثر ہو کر قتل کا فرمان صادر کر دیتا ہے۔ اس حکمِ ناگہانی پر ہلالی اپنی برأت کے ساتھ ایک قصیدہ بھی پیش کرتا ہے:

"خراسان سینۂ زرّینِ زمیں از بہرِ آں آمد — کہ جاں آمد درو یعنی عبیداللہ خاں آمد

سمندِ تند زرّیں نعلِ او خورشید را ماند — کہ از مشرق بمغرب رفت و یکشب در میاں آمد"[۱]

لیکن یہ قصیدہ باعثِ نجات نہیں بنتا۔ چنانچہ شہرِ ہرات کے شارعِ عام پر ۹۳۹ھ / ۱۵۳۲-۳۳ء میں قتل کر دیا جاتا ہے۔ مگر قتل کے بعد عبیداللہ خاں کو بے حد صدمہ اور افسوس ہوا۔ علی شیر قانع رقمطراز ہیں:

"بعد شہادت ہلالی ـــــ خان رالیقین شد ناحق کشتہ۔ پشیمان شدہ دیوانش بکشود، ایں غزل بر آمد:

مارا بجفا کشتہ پشیماں شدہ باشی — خونِ دلِ ما ریختہ حیراں شدہ باشی"[۲]

سالِ قتل میں اختلاف ہے، کچھ اہلِ علم ۹۳۵ھ یا ۹۳۶ھ بتاتے ہیں لیکن خود ہلالی کے ایک مخلص رفیق سام مرزا اور دیگر محققین جیسے ریو (Rieu)، ایتھے (Ethe)، اداؤ

۱؎ خزانۂ عامرہ: ۴۵۶ تا ۴۵۷۔ ۲؎ تحفۃ الکرام جلد دوم: ص ۲۶۵۔